© rasailojaraid.com

انھوں نے سب سے پہلے حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کے دامانِ ارادت وعقیدت سے وابستہ ہوکر بڑے انہماک وتوجہ سے کسبِ فیض واستفادہ کیا اور حضرت مفتی صاحبؒ خدا کو پیارے ہو گئے تو مولانا نے حضرت کے خلیفۂ مجاز مولانا قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھی سے رجوع کیا۔ حضرت قاری صاحب کا مستقل قیام دلّی میں رہتا تھا۔ اس زمانہ میں مولانا کا مشغلہ بجز اس کے کچھ نہیں تھا کہ دن میں صبح شام چھ سات گھنٹے مطالعہ وتصنیف کے سلسلہ میں ندوۃ المصنفین میں گذارتے تھے اور اس کے علاوہ پورا وقت مجاہدہ وریاضت یا پیر ومرشد کی خدمت میں گذارتے تھے۔ طبعاً بڑے خوش مزاج۔ زندہ دل اور خندہ جبین تھے۔ دیوبند سے تعلق کے زمانہ میں شکار کا بڑا شوق تھا۔ برسوں معمول یہ رہا کہ جمعرات کے دن ظہر کی نماز پڑھی اور کارتوسوں کی پیٹی گلے میں ڈال اور بندوق اٹھا چل دیئے اور عشاء کے وقت تک واپس آتے تھے۔ اللہ نے حسنِ باطنی کے ساتھ حسنِ ظاہری سے بھی نوازا تھا۔ خوش پوشاک وخوش خوراک تھے، اکثر قیمتی دوائیں بھی استعمال کرتے رہتے تھے۔ معمولات کے سخت پابند اور انتہا درجہ باحمیت وغیرت مند تھے۔ صاف گو اور صاف رُو اِن بلا کے تھے کہ بعض اوقات اُن پر "کھُرے پن" کا گمان ہونے لگتا تھا۔

مدینہ طیبہ میں قیام کر لینے کے بعد بھی اگرچہ تصنیف وتالیف کا مشغلہ کچھ نہ کچھ جاری رہا لیکن اب مولانا کے اوقات کا اکثر حصہ تعلیم وتربیتِ باطنی اور تلقین وارشادِ روحانی میں صرف ہوتا تھا۔ عوام وخواص کے مرکزِ عقیدت تھے، انڈوپاک کے مسلمانوں کے علاوہ افریقہ اور خاص حجاز کے علماء اور عوام بھی مولانا سے ارادت رکھتے اور فیضِ باطنی حاصل کرتے تھے۔ خدا کی دین ہے۔ جو بچہ میرٹھ کے ایک پولیس افسر کے گھر میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے مقدر میں یوں علم وعمل، تقویٰ وطہارت اور فضائلِ اخلاق وکمالات کے آسمان پر مہرِ تاباں بن کر چمکنا، برسوں تک چمکتے رہنا اور آخر میں مہبطِ وحی وجلوہ گہِ نبوت سرزمین کی خاکِ پاک کا پیوند ہوکر وہیں ابدی نیند سوجانا لکھا تھا۔

این سعادت بزورِ بازو نیست ٭ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

اُردو زبان کے علمی اور ادبی حلقوں میں اس خبر کو بڑی حسرت اور افسوس کے ساتھ سنا گیا کہ پچھلے دنوں پنڈت ترِبھون ناتھ زار زتشی نے ۹۲ برس کی عمر میں دلّی میں انتقال کیا۔ پنڈت جی کشمیری پنڈت تھے، اِن کا خاندان اورنگ زیب عالمگیر کے عہدِ حکومت میں دلّی میں منتقل ہو گیا تھا۔ اس بناء پر یہ خاندان کشمیر اور دلی دونوں کی خاص تہذیب اور کلچر۔ شرافت، علمی وادبی ذوق، حسن وجمال اور وسعتِ مشرب ایسے اوصاف وخصوصیات کا حامل ہے۔ پنڈت جی ان خصوصیات کا ایک اعلیٰ نمونہ ہونے کے باعث ان سب میں ممتاز تھے۔ سنسکرت کے علاوہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فارسی اور اُردو کے بھی نامور فاضل اور محقق تھے۔ شعر و شاعری میں مرزا داغ سے تلمذِ خصوصی رکھتے تھے۔ بلکہ غالباً وہ استاد کی آخری یادگار تھے، دلّی زبان اور اُس کی کہاوتوں اور محاورات پر انہیں جو عبور تھا اُس میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ دلچسپی سے سنا جائے گا کہ ۱۹۳۹ء میں جب پہلے پہل میرا تقرر سینٹ اسٹیفنس کالج دلی میں بحیثیت استاد کے ہوا اور دوسری کلاسوں کے ساتھ بی اے (فائنل) کی اُردو کلاس بھی مجھے پڑھانے کے لئے دی گئی تو ایک دن مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی کی مشہور کتاب توبۃ النصوح کلاس میں پڑھا رہا تھا کہ اچانک "سفو پہ نادری چڑھی" کا فقرہ سامنے آگیا۔ اور چوں کہ مجھے اس کا مطلب معلوم نہیں تھا اسلئے میں نے کلاس ختم کر دی، اور میں سیدھا اپنے استاد شمس العلماء مولوی عبد الرحمٰن صاحب کے مکان پر پہونچا اور ان سے اس فقرہ کا مطلب دریافت کیا۔ مولوی صاحب نے بہت کوشش کی، دماغ پر بہت زور ڈالا مگر بات نہ بنی۔ اتنے میں مولوی صاحب کے جگری دوست خواجہ عبد المجید دہلوی جو دلی کی ٹکسالی زبان اور محاورات کے بڑے اور مسلّم ماہر تھے ادھر آنکلے، مولوی صاحب نے ان سے پوچھا لیکن حافظہ اور دماغ پر بہت کچھ زور ڈالنے کے باوجود انہیں بھی کامیابی نہیں ہوئی، آخر خواجہ صاحب نے پنڈت زار صاحب زتشی کا نام لیا اور مجھ سے کہا کہ تم وہاں چلے جاؤ، اب زار زتشی کے سوا دلی میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس کا مطلب سمجھا سکے۔ میں فوراً زار صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حسب معمول بڑی محبت اور تپاک سے ملے۔ میں نے آنے کا مقصد بیان کیا تو اگرچہ وہ اُس وقت بڑی عجلت میں تھے اور کہیں جا رہے تھے مگر مجھے وہیں لے کر بیٹھ گئے اور کم و بیش چالیس منٹ اس پر تقریر کی، تقریر کا حاصل یہ تھا کہ مغل بادشاہت کے آخری دور میں گنجفہ، چوسر اور شطرنج کی طرح اور بھی متعدد کھیل تھے جو کھیلے جاتے تھے، مگر اب کوئی اُن کا نام بھی نہیں جانتا۔ انہی کھیلوں میں سے ایک کھیل تھا جس کی یہ اصطلاح ہے۔ زار صاحب نے ایک بڑا سا کاغذ لے لیا اور اُس پر پنسل سے نقشہ بنا بنا کر سمجھاتے رہے کہ اس کھیل میں اتنے خانے ہوتے تھے، ہر خانہ میں ایک مہرہ ہوتا تھا جس کا نام اور کام دوسرے مہروں سے جدا ہوتا تھا۔ چالیں اس طرح چلی جاتیں، اور شکست و فتح کا معیار یہ ہوتا تھا۔ سفو پہ نادری چڑھنا شکست کی علامت ہے، جیسے شطرنج میں شہ شدر ہو جانا۔ زار صاحب نے یہ پوری تقریر اس امنگ اور چوچلے سے کی کہ گویا جوانی کی کسی شب کی کوئی دلچسپ کہانی انہیں اچانک یاد آ گئی ہے۔ اللہ اکبر! اب یہ بساطِ دیرینہ اُلٹ گئی۔ اور یہ پُرانی محفل اُجڑ چکی۔ اب نہ دلّی وہ دلّی ہے، نہ اُس کی وہ زبان، نہ کلچر، اور نہ وہ شرافت اور نہ تہذیب۔

پنڈت تربھون ناتھ زار زتشی جن کے گھر کا بچہ بچہ۔ لڑکیاں اور عورتیں تک اُردو زبان کی عاشق اور شاعر ہیں اس محفل کی آخر نشانی اور یادگار تھے۔ سدا رہے نام اللہ کا۔

© rasailojaraid.com